مرثیہ

مرثیہ لفظ ''رثا'' سے بنا ہے۔ جس کے معنی رونا، ماتم کرنا ہیں۔ مرثیہ سے وہ نظم مراد لی جاتی ہے جس میں کسی مرنے والے کے اوصاف بیان کر کے اُس کی موت پر رنج وغم کا اظہار کیا جائے۔ اُردو میں مرثیے کا ایک خاص مفہوم متعین ہوگیا ہے، یعنی مرثیہ صرف اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں حضرت امام حسینؓ اور دیگر شہدائے کربلا کی شہادت کا ذکر کیا جائے۔ باقی تمام لوگوں کی موت پر کہی جانے والی نظموں کو شخصی مرثیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً حاؔلی کا مرثیہ غالبؔ، اقبال کا مرثیہ داؔغ وغیرہ۔

ابتدا میں مرثیے مختصر لکھے جاتے تھے اور ان کے لیے کوئی خاص شکل مقرر نہیں تھی۔ چنانچہ شروع میں مرثیے غزل کی ہیئت میں بھی لکھے گئے، اور تین مصرعوں، چار مصرعوں، پانچ مصرعوں اور چھے مصرعوں کے بندوں کی شکل میں بھی نظم کیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ سوؔدا پہلے شاعر ہیں جنھوں نے مرثیے کے لیے مُسدّس کی ہیئت استعمال کی۔ میر خلیقؔ اور میر ضمیرؔ کے زمانے میں مسدّس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور پھر مرثیے کے لیے صرف یہی ہیئت مخصوص ہوگئی۔ میر ضمیرؔ نے مرثیے کے اجزائے ترکیبی متعین کیے جو حسبِ ذیل ہیں:

1. **چہرہ:** چہرہ مرثیے کی تمہید کو کہتے ہیں۔ اس میں شاعر ایسے مضامین نظم کرتا ہے جن کا مرثیے کے اصل موضوع سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا، جیسے صبح کا منظر، رات کا سماں، گرمی کی شدت، دنیا کی بے ثباتی، سفر کے مصائب، اپنی شاعری کی تعریف، حمد، نعت، منقبت وغیرہ۔

2. **سراپا:** اس میں مرثیے کے ہیرو کے قد وقامت، خدوخال اور دیگر اوصاف کا بیان کیا

جاتا ہے۔

3. **رخصت:** اِس حصے میں ہیرو کو میدانِ جنگ میں جانے کے لیے حضرت امام حسینؓ سے اجازت لیتے ہوئے اور تمام عزیزوں سے رخصت ہوتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔

4. **آمد:** اِس جز میں ہیرو کے گھوڑے پر سوار ہو کر شان وشوکت کے ساتھ میدانِ جنگ میں آنے کی منظر کشی کی جاتی ہے۔ اسی ذیل میں گھوڑے کی مبالغہ آمیز تعریف بھی کی جاتی ہے۔

5. **رَجز:** اس حصے میں ہیرو اپنے خاندان کی تعریف، اپنے بزرگوں کے کارناموں کا ذکر اور جنگ کے معاملات میں اپنی مہارت اور بہادری وغیرہ کا بیان کرتا ہے۔ دشمن کی فوج کے جس پہلوان سے مقابلہ ہوتا ہے وہ بھی اپنی اور اپنے اسلاف کی بہادری کا بیان کرتا ہے۔

6. **جنگ:** ہیرو مقابل فوج کے کسی نامور پہلوان سے یا پوری فوج سے بڑی شجاعت اور بہادری کے ساتھ لڑتا ہے۔ جنگ کے ضمن میں ہیرو کی تلوار اور گھوڑے کی تعریف بھی کی جاتی ہے۔

7. **شہادت:** ہیرو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے بالآخر دشمنوں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر شہید ہو جاتا ہے۔ مرثیے کے اس جز میں اسی شہادت کا بیان انتہائی موثر انداز میں کیا جاتا ہے۔

8. **بَین:** یہ مرثیے کا آخری جُز ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اسے علٰحدہ جز شمار نہیں کرتے بلکہ شہادت ہی میں شامل کرتے ہیں۔ اس حصے میں اس منظر کی تصویر کشی کی جاتی ہے جب ہیرو کی لاش پر اُس کے اعزّا، بالخصوص عورتیں، اس کی خوبیوں کا بیان کر کر کے روتی ہیں۔ مختلف اعزّا کے ان جذبات کو انیسؔ نہایت موثر انداز

میں پیش کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔

مرثیے کے آخری دو اجزا یعنی شہادت و بین اُس کا اصل موضوع ہوتے ہیں۔ ان کی کامیابی پر مرثیہ اور مرثیہ نگار کی کامیابی کا دارومدار ہوتا ہے۔ مرثیے کا بنیادی مقصد رونا رُلانا اور رونے کی ترغیب دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت اور بین کی پیش کش میں شاعر اپنا سارا زورِ کلام صرف کردیتا ہے، اور اپنے اشعار کو پُر تاثیر بنانے کی بھر پور کوشش کرتا ہے۔

انیسؔ و دبیرؔ اور اُن کے پیروؤں کے مرثیوں میں مرثیے کے یہ اجزا عام طور پر پائے جاتے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر مرثیے میں یہ تمام اجزا موجود ہوں اور اسی ترتیب کے مطابق ہوں۔ بعض مرثیے ایسے بھی ملتے ہیں جن میں شہادت کا بیان نہیں ہے بلکہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات نظم کیے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں اجزائے مرثیہ کا التزام ممکن نہیں۔

ببر علی انیسؔ

(1874-1802)

میر ببر علی نام، انیسؔ تخلص تھا۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ انیسؔ کے اجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔ اُن کے پردادا میر غلام حسین ضاحکؔ دہلی کی تباہی کے بعد اپنے بیٹے میر حسنؔ کے ساتھ دہلی چھوڑ کر فیض آباد چلے آئے تھے۔ میر انیسؔ نے اپنے والد میر خلیقؔ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ میر نجف علی فیض آبادی اور مولوی حیدر علی لکھنوی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ انیسؔ کی والدہ بھی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور فارسی زبان نیز مذہبی امور سے کافی واقفیت رکھتی تھیں۔ انیسؔ کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں اُن کی والدہ کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔

میر انیسؔ کا مطالعہ وسیع تھا۔ عربی اور فارسی میں اچھی دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ اُن تمام علوم سے خاطر خواہ واقف تھے جو اُس زمانے میں رائج تھے۔ قرآن و حدیث، عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ سب میں انھوں نے اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی۔ اِن کے علاوہ وہ فنِ سپہ گری اور فنِ شہ سواری سے بھی بہ خوبی واقف تھے۔ اِن فنون کی تعلیم انھوں نے باقاعدہ طور پر اُس زمانے کے مانے ہوئے استادوں سے حاصل کی تھی۔

میر انیسؔ نہایت خوددار اور پابند وضع شخص تھے۔ وہ اپنے خاندان کی عزت اور اپنے بزرگوں کے علم و فضل پر بڑا فخر کرتے تھے۔ مرثیہ پڑھتے وقت وہ اپنی آواز کے اُتار چڑھاؤ اور چہرے کی حرکات و سکنات سے سارا منظر دل نشین کر دیتے تھے اور مجلس میں سماں باندھ دیتے تھے۔ میر انیسؔ کے والد آخری عمر میں لکھنؤ چلے آئے۔ اُن کے ساتھ انیسؔ بھی آ گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ لکھنؤ ہی میں ان کی وفات ہوئی۔ انیسؔ ایک قادر الکلام شاعر اور

ماہرِفن کار تھے۔ زبان پر انھیں بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ لفظوں کے انتخاب اور استعمال میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایک بات کو کئی کئی ڈھنگ سے ادا کرنے میں ماہر تھے۔ مشکل الفاظ اور عربی فارسی تراکیب اور محاورات کو بھی بے حد لطیف پیرایے میں نظم کرنے میں انھیں ملکہ حاصل تھا۔ نازک خیالات اور لطیف سے لطیف کیفیات کی ترجمانی وہ نہایت مناسب الفاظ اور بے حد موثر انداز میں کرتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

شہادت حضرت عبّاس

گرنے لگا جس دم عَلمِ سیّد والا　　عباس نے جھک کر اُسے گردن سے سنبھالا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا　　بند آنکھیں ہوئیں، منھ سے لہو شیر نے ڈالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہوگیا سر حضرتِ عباسِ علی کا

کچھ گرزِ گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا　　سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
زیں سے جو گرے آپ، کھڑا ہوگیا گھوڑا　　پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینے کو توڑا
پانی جو بہا، عید ہوئی فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباس لہو میں

ناگاہ یہ آوازِ علی دشت سے آئی　　شبیر خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
چلّائی یہ زینب کہ دہائی ہے دہائی　　حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
تشریف شہ ہر دو سرا لائے ہیں، زینب!
عباس کے لاشے پہ علی آئے ہیں، زینب!

جب کٹ گئے دریا پہ علم دار کے بازو　　شانوں سے جدا ہوگئے جرار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غم خوار کے بازو　　تھرانے لگے سیّد ابرار کے بازو
رنگ اُڑ گیا، تصویرِ الم ہوگئے شبیر
ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہوگئے شبیر

چلّائے بہ صد غم مرے بھائی! مرے بھائی!　　کیا دِل کا ہے عالم مرے بھائی! مرے بھائی!
کیوں چشم ہے پرنم، مرے بھائی! مرے بھائی!　　اُکھڑا ہے ترا دم، مرے بھائی! مرے بھائی
سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

© NCERT not to be republished

یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری　　عباس علم دار کراہے کئی باری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری　　تن رہ گیا، اور روح سوئے خلد سدھاری
چلا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہ
نکلا تھا دم اُن کا کہ نکل آئی سکینہ

لاشے پہ عبا ڈال کے شبیر پکارے　　کیوں گھر سے نکل آئیں، میں قربان تمھارے
گھبرا کے سکینہ نے کہا: پیاس کے مارے　　حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سِدھارے
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر
اب ڈھونڈنے آئی ہو، مرے بھائی کو کھو کر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلّائی وہ بے پر　　دکھلا دو مجھے لاشہ عباسِ دلاور
اکبر نے کہا روکے، نہ مانے گی یہ مضطر　　حضرت نے کہا لاشِ علم دار دکھا کر
پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
منھ دیکھ لو، یہ شیر سے عباس پڑے ہیں

میّت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی　　حضرت نے عبا، بھائی کے چہرے سے اُٹھائی
چلّائی سکینہ کہ دُہائی ہے دُہائی　　ریتی میں علم دار نے بھی شکل چھپائی
تھرانے لگا لاشہ سقائے سکینہ
لاشے سے صدا آنے لگی ہائے سکینہ

مشق

لفظ و معنی

علم : جھنڈا
سید والا : بزرگ سردار، مراد امام حسینؑ

چشم	:	آنکھ
فرق	:	مانگ (سر کی)
گُرز	:	ایک ہتھیار کا نام جو اوپر سے گول موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے اور دشمن کے سر پہ مارنے کے کام آتا ہے۔
شقی	:	سخت دل
شق ہونا	:	پھٹ جانا
گراں بار	:	بھاری بوجھ سے دبا ہوا
مَشک	:	پانی بھرنے کا، چمڑے کا تھیلا
زین	:	چار جامہ، گھوڑے کی پیٹھ پر کسا جانے والا کجاوہ
مشکیزہ	:	چھوٹی مشک
عدو	:	دشمن
ناگاہ	:	اچانک
تصدُّق	:	قربان، نثار
شہِ ہردو سرا	:	دونوں دنیا کے بادشاہ
جرّار	:	بہادر، جری
ریتی	:	ریت
اَبرار	:	نیک لوگ
تصویرِ الم	:	دکھ کی تصویر، دکھ کا مجسّمہ
اجل	:	موت
سوئے خلد	:	جنت کی طرف

© NCERT not to be republished

عبا	:	لمبا کرتا، جُبّہ
بے پر	:	بے یار و مددگار
دلاور	:	بہادر
مضطر	:	بے چین، پریشان
سقّا	:	پانی پلانے والا

غور کرنے کی بات

- اس مرثیہ کا جو حصّہ آپ نے پڑھا اس کے ابتدائی چھے بند شہادت کے بیان پر مشتمل ہیں اور آخری تین بند بین کا حصّہ ہیں۔
- پہلے بند کے پانچویں مصرعے میں لفظ 'شقی' آیا ہے۔ چھٹے مصرعے میں لفظ 'شق' مذکور ہے۔ شق اور شقی میں حرف 'ی' کا فرق ہے۔ جب کسی شعر یا مصرعے میں اس قسم کے دو الفاظ آئیں جن میں پہلے کے مقابلے میں دوسرے میں ایک یا دو حروف کم یا زیادہ ہوں تو اسے ''تجنیس ناقص''، یا ''تجنیس زائد'' کہا جاتا ہے۔
- پہلے بند کے چوتھے مصرعے کا آخری ٹکڑا '' منہ سے لہو شیر نے ڈالا'' حضرت عباس سے متعلق ہے۔ اس میں انھیں شیر کی طرح بہادر کہنے کے بجائے براہِ راست ''شیر'' کہا گیا ہے۔ یعنی ''شیر'' اپنے اصلی معنی (ایک درندہ) کی بجائے مجازی معنی (ایک بہادر انسان) میں استعمال ہوا ہے۔ جب کوئی لفظ اس طرح اپنے اصلی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دونوں معنوں میں تشبیہ کا رشتہ ہوتا ہے تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔
- آٹھویں بند میں عباس کے لیے ''شیر سے عباس پڑے ہیں'' آیا ہے یہاں عباس کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے اور ''شیر سے عباس'' مراد ہیں۔ اس لیے یہاں یہ تشبیہ ہے۔

© NCERT not to be republished

- دوسرے بند میں پانی بہنے کی رعایت سے عبّاس کے لہو بہنے کا ذکر ہے اور مشکیزے سے پانی بہنے کے باوجود عبّاس پیاس سے مچھلی کی طرح تڑپنے لگے۔ پانی بہنا، لہو ٹپکنا اور مچھلی سے تڑپنا شعر کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے ہیں۔

سوالات

1. مرثیہ کا یہ حصہ کس جز سے تعلق رکھتا ہے؟
2. حضرت عباس کو سقائے سکینہ کیوں کہا گیا ہے؟
3. مرثیے کے تیسرے بند کی تشریح کیجیے۔
4. دشمن کی فوج میں خوشی کی لہر کیوں دوڑ گئی؟
5. حضرت سکینہ بھائی کی شہادت پر کس طرح بین کرنے لگیں؟ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

عملی کام

- واقعۂ کربلا اسلامی تاریخ میں خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ پورا واقعہ اسلامی تاریخی کتابوں سے پڑھیے۔
- درج ذیل مرکّبات کے معنی لکھ کر ان کی وضاحت کیجیے۔

  علَم دار، غم خوار، سیّد ابرار، سیّد والا، لاشۂ سقا
- درج ذیل شعر میں کون سی صنعت پائی جاتی ہے۔

  خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
  شق ہوگیا سر حضرت عبّاس علی کا
- شاملِ نصاب بند کے علاوہ اس مرثیے کے دوسرے اشعار لائبریری سے حاصل کر کے پڑھیے۔

© NCERT not to be republished